اسلام کا خود مکتفی عائلی نظام

(سلسلہ کے لئے برہان اپریل ۱۹۸۵ء دیکھیے)

اس آیت میں مومنین سے قرآن کا کھلا مطالبہ ہے کہ اگر وہ اللہ اور یوم آخرت کی جوابدہی پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر ان پر واجب ہے کہ اپنے متنازعہ فیہ مسائل میں قرآن و سنت کو ماخذ قانون قرار دے کر انصاف رسانی کی خدمات انجام دیں۔ اولی الامر سے یہاں قاضی مراد ہے۔ اسی طرح البقرہ کی (۲۲۹) ویں آیت میں فَاِنْ خِفْتُمْ کے مخاطب زوجین نہیں بلکہ شخص ثالث ہے فقہی اصطلاح میں اس شخص ثالث کو قاضی کہا جاتا ہے۔ قضاء کی خدمات تو دارالقضاء کے فرائض ہی میں ہیں لیکن مختلف حالات میں ایسی ہی خدمات "جماعت المسلمین العدول" مسلم آربٹریشن بورڈ یا فریقین کے مقرر کردہ ثالثوں کی جماعت کے ذریعہ بھی انجام دی جا سکتی ہیں۔

آل عمران کی آیات نمبر (۱۰۴) اور (۱۱۰) میں جہاں امر و نواہی کو امت مسلمہ کا فریضہ حیات اور زندگی کا مشن قرار دیا گیا ہے وہیں وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ" میں دعوت اسلامی کے فرائض انجام دینے کے لئے مختلف تنظیموں کے قیام اور ان تحریکوں کے استقرار و استمرار کی طمانیت کے لئے ان کی مختلف شکلوں میں ادارہ سازی کا کھلا اشارہ بلکہ حکم ملتا ہے۔ ان میں خلافت اسلامیہ بھی ہے، وضع قوانین اور تدوین فقہ کی سرکاری و غیر سرکاری مجالس بھی ہیں، عاملانہ خدمات کے مختلف محکمے بھی ہیں اور اسی طرح عدلیہ کی خدمات کی سربراہی کے لئے دارالقضا کے ادارے بھی ہیں۔ یہ سب ادارے داعی الی الخیر ہیں اور انہی کی وساطت سے ملت اسلامیہ اپنے آپ کو "خَيْرَ اُمَّةٍ" ثابت کر سکتی ہے اگر

سلامی اداروں کو قائم کرنے میں مسلمان کامیاب نہ ہوں یا ان کے ادارے معطل
ہ جائیں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فعال مشن بھی وعظ و نصیحت کی محض ایک اصلاحی تحریک بن کر
رہ جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا وعدہ تو یہی ہے کہ اس کے متقی بندے اپنے جہدِ مسلسل اور
سے اقامتِ دین کا بیڑا اٹھالیں تو دینِ حق تمام ادیان پر غالب ہوکر رہے گا۔

هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ

قرآن میں جہاں بھی عائلی قوانین کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہاں بار بار مسلمانوں پر بہت
سی باتیں فرض کر دی گئی ہیں جن میں بعض انفرادی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض اجتماعی
زندگی سے۔ جہاں بھی اجتماعی زندگی کے مسائل سے بحث ہوگی وہاں امارتِ اسلامیہ کے
نظام کا وجود ضروری ہے۔ مثلاً قرآن کے ان مطالبات و احکام پر نظر ڈالئے۔

كِتَٰبَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ (۴: ۲۴) كُتِبَ عَلَيْكُمْ (۲: ۱۸۰) يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَٰدِكُمْ
(۴: ۱۱) وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ (۴: ۱۲) تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ (۴: ۱۳) حَقًّا عَلَى
الْمُحْسِنِينَ (۲: ۲۳۶) حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (۲: ۲۴۱)
نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (۴: ۷) فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ (۴: ۱۱)

اسی طرح ان قرآنی وعیدوں اور انتباہی آیات کا بین السطور مطالعہ کیجئے:

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ
نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۴: ۱۴﴾ تِلْكَ حُدُودُ
اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰٓئِكَ
هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿۲: ۲۲۹﴾ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ
وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ
(۶۵: ۱)

قرآن کی ان آیات میں جو احکام و تلقینات دیے گئے ہیں یا وعدہ و وعید کی جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اسلامی نظام حیات کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہیں اور ان کا تحفظ قوت قاہرہ اور آمرانہ قدرات ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ ان احکام کی تعمیل مختلف اداروں ہی کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ خاندانی اور معاشرتی دائرۂ زندگی میں پرسنل لا کی تعمیل کے لئے اسلام کے عائلی نظام کے اندر ہی ایسے مخصوص ادارے موجود ہیں کہ جن کے رواج و قیام کے ذریعہ شریعت کے مطابق انصاف رسانی کا بطریق احسن اہتمام ہو سکتا ہے دار القضاء کے علاوہ دو محدود ادارے اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک ادارہ "جماعت المسلمین العدول" ہے اور دوسرا "طلاق التفویض" کا وثیقہ ہے۔

اگر مسلمان کسی ایسے ملک یا مقام پر رہتے ہوں کہ جہاں انھیں اپنے باہمی نزاعات طے کرنے کے لئے دار القضاء کی سہولتیں حاصل نہ ہوں تو شریعت نے ان کے لئے یہ سہولت رکھی ہے کہ فریقین اپنی مرضی سے تین یا تین سے زیادہ ایسے مسلمانوں کا انتخاب کر سکتے ہیں جو عالم و فاضل، متقی اور صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں بتراضی طرفین ایسی جماعت کا قیام عمل میں آنے کے بعد فریقین اس معاہدہ کے ساتھ اپنے متنازعہ فیہ مسائل سپرد ثالثی کر سکتے ہیں کہ اس جماعت کا جو بھی متفقہ فیصلہ ہوگا وہ اس کے پابند رہیں گے۔ ان کا فیصلہ شرعی اعتبار سے قضائے قاضی کے حکم میں ہوگا۔ اگر کسی مقام پر اراکین جماعت کے انتخاب میں فقہ حنفی کا معیار بہت بلند نظر آئے اور وہاں اس معیار کے لوگ مل نہ سکیں تو اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے تلفیق کی مدد سے مالکی فقہ سے مدد لی جا سکتی کہ جس میں اراکین جماعت کے معیار قابلیت میں اتنی ... ایسی صورت میں اصولی تلفیق کی رو سے پورے شرائط کے ساتھ مالکی ... ہوگا۔ اگر ہم شریعت کے اندر مہیا کردہ ان سہولتوں سے استفادہ کریں

رہیں تو پھر کبھی بھی اور کہیں بھی نہ حرج کی کیفیت رونما ہوگی اور نہ قضائے قاضی کا مسئلہ پیدا ہوگا۔

خلع تابع طلاق ہونے کی وجہ سے عورتوں کو بعض صورتوں میں اپنے شوہروں سے خلع کے ذریعہ طلاق لینے میں بڑی رکاوٹوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جس کی بنا پر بسا اوقات حرج کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور عورتیں معلق زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اگر مستقبل میں کبھی بھی ایسی صورتیں رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے سد باب کے لئے شریعت میں "طلاق التفویض" کا طریقہ ہے۔ یہ طریقہ ایک ایسے وثیقہ سے عبارت ہے جس کے ذریعہ مرد اپنا اختیار طلاق اپنی بیوی کو منتقل کر سکتا ہے۔ یہ اختیار مطلقاً بھی دیا جا سکتا ہے اور مشروط طور پر بھی منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اگر اختیار مطلق ہو تو عورت بلا قید مکان و زمان کسی بھی وقت اپنے آپ پر طلاق نافذ کر کے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے اور اس کی [illegible] ریکارڈ کر لی جاتی ہے جب یہ اختیار طلاق مرد کی طرف سے مشروط کر دیا جاتا ہے تو کابین نامہ میں ان مخصوص باتوں کا اندراج کر دیا جاتا ہے کہ جن کے وقوع پذیر ہونے پر گواہوں کی اس امر پر توثیق ہونے کے بعد ہی بیوی کو اس اختیار کو استعمال کرنے کا حق پیدا ہوتا ہے اور وہ ایسی صورت میں اپنے آپ پر طلاق نافذ کر کے شوہر سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ عدت بہر صورت لازمی ہے طلاق تفو[یض] کا کابین نامہ بوقت عقد نکاح بھی تکمیل پا سکتا ہے اور کسی بھی وقت بعد میں بھی ملیشیا میں اس کو تعلیق کہتے ہیں۔ اس تعلیق سے طلاق کا مفوضہ اختیار ہی معلق رہتا ہے عقد نکاح پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تفویض کا یہ طریقہ ملیشیا کی اسلامی مملکت میں عام اور لازمی ہے لیکن ہندوستان کے قدیم معاشروں میں اس کو ایک بدشگونی کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ عقد کی مسرت

یب میں نکاح نامہ کی خوش آئند دستاویز کے ساتھ طلاق التفویض کا ایک "بعض"
یقہ بھی لگا دیا جائے۔ ہندوستان کے قدامت پسند ماحول میں اس کو لازمی قرار
نامناسب نہ سمجھا جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے کہ مخصوص صورتوں میں اس
شق سہولت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ایسے دولہے جو بغرض اعلیٰ تعلیم یا تلاش
زگار کے لئے ولایت غیر جانا چاہتے ہوں تو ان جیسے لوگوں سے "طلاق التفویض"
مشروط وثیقہ تحریر کروالینا پیش آئند احتمالات کے خدشات کو کم کرنے یا واقعی
یسے حالات پیدا ہو جائیں تو اس سے مقابلہ کرنے کے لئے ایسے وثائق ایجاد و عہد
بت ہو سکتے ہیں۔

برسوں سے ہم ایسے واقعات دیکھتے آرہے ہیں کہ مختلف اسباب کی بنا پر بیویاں
رتیں مردوں کی زیادتیوں کا شکار ہو کر معلق زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور
ن حالات سے گلو خلاصی کے لئے جب وہ فدیہ دے کر یا مہر معاف کر کے خلع مانگتی
ں تو ان کے شوہر طلاق دینے سے انکار کر دیتے اور ایام جاہلیت کی طرح ان کو
یونہی لٹکائے رکھ کر اپنے انتقام کی پیاس بجھاتے رہتے ہیں۔ قرآن نے صریحاً
سلمانوں کو ایسی جاہلانہ حرکات سے روکا ہے۔ اس کا رہنما اصول تو بس اِمْسَاكٌ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ہے سورۂ بقرہ اور طلاق میں یہ صریح
یات موجود ہیں:

اِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (۲: ۲۲۹)

یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقہ سے رخصت کر دیا جائے

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (۲: ۲۳۱)

بھلے طریقہ سے ان کو روک لو یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (۶۵: ۲)

یا بھلے طریقے سے روک رکھو یا بھلے طریقہ پر اُن سے جُدا ہو جاؤ۔
قرآن کے ان احکام کے باوجود عورتوں کی زندگی میں تعلیق کا مسئلہ نہ صرف
مہذب افراد کے لئے سوہانِ رُوح ہے بلکہ اسلامی معاشرے کے دامن پر ایک
بدنما داغ ہے غیر ذمہ دار مردوں کی اسلامی تعلیمات کے خلاف یہ حیلہ جوئیاں
قضائے شرعی کے فقدان کی وجہ سے بڑھ گئی ہیں اور کتنی ہی معصوم عورتوں
کی زندگیاں مفقودالخبر شوہروں کے فراق یا ظالم مردوں کی اذیتوں سے عذاب
بنی ہوئی ہیں:
شریعت کے نظام ہی میں قضائے شرعی کے حصول کی مختلف صورتوں:
سہولتیں ہونے کے باوجود ملتِ اسلامیہ ہند میں قضائے قاضی کا مسئلہ اس
لئے پیدا ہو گیا ہے کہ خود مسلمان ہی ان اداروں کے قیام میں مانع و مزاحم
جاتے ہیں۔نزاعات رُونما ہونے کے بعد اگر کوئی ایک فریق مسلم ثالثی کے ذر
ان کا تصفیہ کرانے سے انکار کر دے، یا جماعت المسلمین کے قیام ہی سے اتفاق
نہ کرے اور طلاق التفویض کا وثیقہ لکھنے پر انکار کرتا ہے تو ان کی خودغرضانہ
سے شریعت کی مہیا کردہ تمام سہولتیں اور رعایتیں کالمعدوم ہو کر رہ جاتی ہیں
افسوس و ندامت اس بات پر ہے کہ شرعی طریقے اختیار کرنے میں خود مسلمانو
کی طرف سے مزاحمت ہوتی ہے۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

بہرحال ہماری کوتاہیوں نے سماجی زندگی میں اتنی تنگی اور گھٹن پیدا کر دی
کہ معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں جب بھی متنازعہ فیہ مسائل رُونما ہوتے
تو انصاف کی عدم دستیابی کی وجہ سے گنجلک شکل اختیار کر لیتے ہیں۔قاضی کی خدمات
خلع کو فسخ نکاح میں بدلنے کی حد تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ اور بھی مسائل جیسے نفقہ

شوہر کا پتہ لگانے، اور پتہ نہ لگنے پر اس کی موت کا اعلان کرنے اور اس کا عقد نکاح فسخ کرکے بیوی کو تعلیق کی حالت سے نجات دلانے کے لئے بھی ضروری ہیں۔ اسی طرح اگر شوہر مدت مدید کے لئے قید کردیا جائے، لاعلاج امراض شنیعہ میں مبتلا ہوگیا ہو نیتین ثابت ہو یا اپنی بیوی کو نان ونفقہ کی ادائیگی میں مسلسل کوتاہی کررہا ہو یا نشہ کی حالت میں مارپیٹ کرنے کا عادی ہو تو ان تمام صورتوں میں بیوی کے لئے خلع کی وجہ جواز تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن وجوہ جواز کی توثیق اور فسخ نکاح کا فیصلہ کرنا تو بہر حال قاضی ہی کا کام ہے۔ اسی طرح تقسیم وراثت کے مسئلہ میں الجھنیں یا بد دیانتی کی شکلیں پیدا ہو جائیں یا محجوب الارث پوتوں اور نواسوں کے ساتھ وصیت کی مدسے صلہ رحمی کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہو تو اس کے لئے ثالثی کی خدمات ضروری ہوتی ہیں اور مسلم جج کے فیصلہ کے بغیر متروکہ کی شرعی انداز پر تقسیم کا مسئلہ امر محال بن جاتا ہے۔ ملک میں متفقہ طور پر اسلامی ادارے موجود ہوں تو ہماری عائلی زندگی کے تمام ہی مسائل مسلم پرسنل لا کی رو سے بآسانی طے ہو سکتے ہیں لیکن موجودہ ماحول میں دارالقضاء کی عدم موجودگی کے باعث یہی عائلی مسائل ایسی گنجلک اور بھیانک شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے ظلم وزیادتی، ناانصافی اور مختلف قسم کی معصیتیں ہماری سماجی زندگی میں گھر کر گئی ہیں اور نسلاً بعد نسل سے پرورش پا رہی ہیں۔ اگر ان اسباب کا سد باب نہ کیا جائے اور ہمارے مسائل یونہی لاینحل بنے رہیں تو حرج کے ان حالات میں مختلف مفاسد سر نکالتے رہیں گے ہم برسوں سے ان معصیتوں میں مبتلا ہیں اور اغماض کرتے چلے آرہے ہیں جیسا کہ مولینا اشرف علی تھانوی نے اپنی مشہور تصنیف " الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ " میں بیان کیا ہے سماجی زندگی کے ایسے مایوس کن حالات میں مجبور عورتوں کی زندگی بسا اوقات مردوں کے استحصال کا شکار ہو جاتی ہے بلکہ بعض وقت تنگ خلاصی کے لئے بات ارتداد

تک چلی جاتی ہے۔ اس غیر اسلامی ماحول کو اگر ہم علی حالہٖ برقرار رکھنے پر مصر رہیں اور شریعت نے ہمیں اپنے عائلی نظام میں انصاف و قضاء کی جو سہولتیں عطا کی ہیں اُن کو قائم کرنے کا آئینی و قانونی اختیار رکھنے کے باوجود اپنے معاشرے میں انصاف رسانی کے اسلامی اداروں کے قیام میں ناکام رہیں، تو یقیناً ہم کل اللہ کے پاس اپنی ان کوتاہیوں اور ناکامیوں کے لئے جوابدہ ہوں گے۔ قرآن نے اس منظر سے پہلے ہی ہمیں آگاہ کر دیا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝ النساء ۴: ۴۱-۴۲

ترجمہ: پھر سوچ کر یہ اس وقت کیا کریں گے جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی آنحضورؐ کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔ اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول اکرمؐ کی بات نہ مانی تھی اور نافرمانی کرتے رہے تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے۔

تکلیف شرعی کے اس احساس کے ساتھ حیدرآباد دکن کے چند درد مند حضرات نے سیکولر ہندوستان میں قضائے شرعی کے فقدان کے مسئلہ پر غور و خوض شروع کیا اور مزید سوچ و بچار کے لئے صدر مجلس علمائے دکن اور جمیعۃ العلماء آندھرا پردیش کے زیر اہتمام ایک وسیع مجلس ترتیب دی جو علماء، دانشور اور قانون داں

حضرات کے علاوہ مختلف مکاتب خیال اور جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل تھی مختلف اجلاس میں ان حضرات نے مسئلہ کے شرعی، سماجی، سیاسی اور قانونی پہلوؤں پر خوب غور وفکر سے کام لیا اور کافی بحث و نظر کے بعد چند متفقہ نتائج اخذ کرتے میں کامیاب ہے۔ مسئلہ دراصل قوت نافذہ کا تھا جو فی الوقت ہماری سیکولر عدالتوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان عدالتوں کے فیصلوں کے مسلمانوں پر شرعاً عدم نفاذ کے متفقہ فقہی حکم کو کسی نے بھی چیلنج نہیں کیا اور مسلم قضاۃ کے لئے ان اختیارات کا مطالبہ کرنا یوں ناممکن الحصول قرار دیا گیا کہ اس سے پہلے تو متوازی عدالتوں کے قیام کا تصور پیدا ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ کوئی بھی مملکت، خواہ وہ سیکولر ہو یا مسلم، اپنی عدلیہ کا نظام رکھتے ہوئے دوسری عدلیہ کے قیام کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اسی طرح مسلمانوں کے عائلی مقدمات کی سماعت وانفصال کے لئے مسلم جج کے تقرر کے مطالبہ پر بھی غور کیا گیا۔ شرعی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کا یہ مطالبہ کتنا ہی صحیح اور واجبی مانا جائے لیکن مختلف مذاہب کی سیکولر مملکت میں ایسے مطالبہ کو فرقہ وارانہ رنگ دئے جانے کا قوی احتمال محسوس کیا گیا۔ ایک عدلیہ کے لئے جس کے دروازے سبھی کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں ہر فرقہ کے لئے علیحدہ علیحدہ جج کا تقرر یقیناً ایک بار گراں ثابت ہوگا یا رسی ایکٹ کی نظیر پر ایک اور صورت یہ بھی غور طلب رہی کہ عائلی مقدمات کی سماعت کے لئے مسلم جیوری سسٹم کا مطالبہ کیا جائے۔ اس مطالبہ میں بھی یہ سقم محسوس کیا گیا کہ گو مسلم جیوری مسلمانوں کے مقدمات کی سماعت میں بحیثیت مشیر شریک رہے گی لیکن فیصلہ بالآخر کسی غیر مسلم جج ہی کے قلم سے ہوگا اور ایسا فیصلہ شرعاً مسلمانوں پر نافذ نہیں ہوتا۔ لہذا اس مطالبہ کو بھی بے سود سمجھا گیا۔ بعض اراکین تو اپنے اس خیال پر اڑے رہے کہ حکومت سے مسلمان قضاۃ کے لئے قوت نفاذ کا مطالبہ کرنا عدلیہ سے دریوزہ گری کرنے کے مترادف اور اگر ایسا مطالبہ منظور ہو تو قابل حصول

ہو بھی جائے تو اس سے یہ اندیشہ کم نہیں ہوتے کہ اس رعایت وعنایت کے ساتھ ہمارے دینی معاملات میں حکومت کی مداخلت کی راہیں بھی کھل جائیں۔ دینی معاملات میں حکومت کی مداخلت مسلمانوں کے لئے ہمیشہ سے ناپسندیدہ رہی ہے۔ ان تمام صورتوں کے امکانات، اشکالات اور احتمالات پر خوب غور وخوض کرنے کے بعد خود شریعت اسلامیہ کے نظام کے اندر ہی اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ ایک تدبیر سب سے زیادہ کارگر نظر آئی کہ خود مسلمانوں کو اس امر کا پابند کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ اپنی عائلی نزاعات مسلم ثالثی یا دارالقضاء سے رجوع کرنے اور اس کے فیصلوں کو ماننے کے پابند رہیں گے اور ان مسائل کی حد تک سیول کورٹ جانے سے قطعی احتراز کریں گے اس مقصد کے حصول کے لئے تجویز یہ پیش کی گئی کہ عقد نکاح کے وقت ہی سیاہے میں عاقدین کا یہ معاہدہ بھی مندرج کرا دیا جائے کہ خدانخواستہ ان کے مابین آئندہ کسی بھی وقت کوئی نزاعی مسئلہ پیدا ہو تو وہ دارالقضاء سے رجوع ہوں گے اور اس کے فیصلہ کے پابند ہوں گے۔ یہ معاہدہ بطور وثیقہ کے دارالقضاء کو مقتدر بنانے یا مسلم ثالثی کو مؤثر بنانے کے لئے وقت ضرورت کام آویگا۔

حکومت کا آربٹریشن ایکٹ پہلے ہی سے موجود ہے ثالثی کا انعقاد فریقین مقدمہ کی اتفاق رائے سے عمل میں آئے اور ارکین ثالثی بھی قانون کی پوری متابعت میں اپنا فیصلہ صادر کریں تو نہ صرف عدالت ایسے فیصلوں کو از روئے قانون جائز قرار دیتی ہے بلکہ فریقین کی درخواست پر ان فیصلوں کو عدالتی ڈگری میں بھی بدل دیتی ہے۔ اس طرح دارالقضاء کے فیصلے ہوں، مسلم آربٹریشن بورڈ کے ہوں یا جماعت المسلمین العدول کے فیصلے ہوں ان سبھی فیصلوں کو مذکورہ بالا ایکٹ کے تحت عدالتی فیصلوں کے مماثل بنایا جا سکتا ہے۔ اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے ہماری عائلی زندگی کی نزاعات بھی قطعی شرعی طریقے سے طے ہو سکتی ہیں اور ثالثی یا دارالقضاء کے

فیصلوں کو عدالتی ڈگری میں تبدیل کرنے سے وہ خلا بھی پُر ہو جاتا ہے جو قوت قاہرہ یا اختیار نفاذ نہ ہونے کی وجہ سے ہماری معاشرتی زندگی میں پیدا ہو گیا ہے۔ مزید یہ کہ مسلم پرسنل لاء جو ۱۹۳۷ء کے ایکٹ کی بنا پر ملکی قانون ہے مگر قضائے شرعی کے فقدان کے باعث مفلوج نظر آتا ہے اور بعض صورتوں میں بے اثر معلوم ہوتا ہے مذکورہ بالا طریقے اختیار کرنے پر ایک جاندار اور موثر قانون محسوس ہونے لگے گا۔

اس احساس کو عام مسلمانوں کے قلوب میں جاگزیں کرنے کے لئے یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ ہر صوبہ کے مستقر پر ایک مرکزی دار القضاء کا قیام عمل میں لایا جائے اور ایک مجلس نظما کے ذریعہ اس کے تمام انتظامی و دفتری امور چلائے جائیں۔ ان کی شاخیں اضلاع پر قائم کی جائیں۔ دار القضاء میں اعلیٰ قابلیت اور بلند کردار کے مستقل قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ اس کے علاوہ شہر کے مشہور علما، قانون داں، دانشور اور موظف جج اور عہدیداروں کا ایک پینل بھی تیار کیا جائے تاکہ وقت ضرورت ان کی خدمات سے استفادہ کیا جاسکے۔

اگر ہم ملک کے طول و عرض میں قضاۃ کے ایسے ادارے قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ملتِ اسلامیہ کی عائلی زندگی میں شریعت کے مقدس قوانین کے تنفیذ و تعمیل میں بڑی سہولتیں پیدا ہو جائیں گی اور عمل صالح کے لئے ایک بڑا میدان فراہم ہو جائے گا۔ حقوق الزوجین اور وراثت کے مسائل میں شریعت سے گریز اور بے اعتدالیاں بسا اوقات فساد کے ایسے سنگین نتائج پیدا کر دیتی ہیں کہ جن سے عائلی و معاشرتی زندگی میں نفرت و عناد کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فضا اسلام کی بامروت و محبت آمیز فضا کے بالکل مغائر ہے۔ مسلمانوں کی سماجی زندگی کو غیر اسلامی فضا کی آلودگیوں سے روکنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنی رائے عامہ تربیت ... جب کبھی مسلمانوں میں [illegible] قضایا و تنازعات رونما ہوں تو شریعت

کے مطابق دارالقضاء سے اپنے معاملات کے تصفیہ کرانے کے پابند ہیں عام مسلمان یہ محسوس کریں کہ دارالقضاء وہ ادارہ ہے جو ان کے شرعی حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے گویا مسلمان مسلم پرسنل لا کے محافظ و امین ہیں اور دارالقضاء ان عائلی قوانین کے مطابق انصاف رسانی کا ضامن ہے۔ فقط

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی

آخری یادگار

سیرت پر ایک اہم کتاب

حضرت عثمان ذوالنورینؓ

قیمت غیر مجلد -/42

قیمت مجلد عمدہ ریگزین 52/-

ندوۃ المصنفین۔ جامع مسجد دہلی